

دعا-آداب اور قابل احترام پہلو

سید احمد عروج قادری

ماہنامہ ترجمان القرآن اگست 2010ء

دین میں دعا کی بڑی اہمیت ہے اور یہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے اعراض اللہ رب العالمین کو سخت ناپسند ہے۔ قرآن و احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عبادت شرائط و آداب سے خالی نہیں ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہم عبادات کے نتائج و ثمرات تو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے شرائط و آداب کی تکمیل کی طرف دھیان نہیں دیتے۔

قرآن و احادیث میں دعا کے جو شرائط و آداب مذکور ہیں وہ تین قسموں میں بانٹے جاسکتے ہیں۔ کچھ شرائط و آداب دعا سے پہلے ہیں، کچھ اس کے اندر ہیں، اور کچھ اس کے بعد ہیں۔ اگر ہم مثال کے طور پر نماز کو اپنے سامنے رکھ لیں تو ان شرائط و آداب کو سمجھنا آسان ہو جائے گا کیونکہ نماز کے لیے بھی کچھ شرائط و آداب اس سے پہلے ہیں، کچھ اس کے اندر ہیں اور کچھ اس کے بعد ہیں۔ دعا سے پہلے کی دو شرطیں بڑی اہم ہیں:

دین کو اللہ کے لیے خالص کر لینا

یہ ایک ایسی شرط ہے جو اللہ رب العزت کی تمام عبادتوں میں لگی ہوئی ہے۔ کوئی عبادت اس شرط کو پورا کیے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کے ساتھ کسی دوسرے کی بندگی کو شریک نہ کیا جائے۔ پرستش صرف اسی کی اور پیروی و اطاعت صرف اسی کے احکام و اوامر کی کی جائے۔ اس کے حکم کے علی الرغم کسی کی اطاعت نہ کی جائے اور جو کچھ کیا

جائے صرف اسی کی رضا حاصل کرنے اور اسی کے حکم کی تعمیل کی نیت سے کیا جائے۔ کوئی عمل محض دکھاوے کے لیے نہ کیا جائے۔ ہر عبادت اور ہر اطاعت شرک اور ریا کی آمیزش سے پاک ہو۔ قرآن میں متعدد مقامات پر صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کی جائے اور اس سے دعا مانگی جائے۔ اگر کوئی شخص اس شرط کی خلاف ورزی کر کے یہ توقع کرے کہ اس کی عبادت اور اس کی دعا بارگاہ الہی میں قبول کی جائے گی تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ عبادت کے بارے میں فرمایا گیا ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الْخَالِصِط (الزمر ۳۹: ۲-۳) (اے محمد ﷺ!) یہ کتاب ہم نے ۵ اِنَّا نُرْسِلُكَ بِالْحَقِّ فَاَعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ تمھاری طرف برحق نازل کی ہے، لہذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو، دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار، دین خالص اللہ کا حق ہے۔

: اسی سورہ زمر میں دوسری جگہ کہا گیا ہے

فَاَعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِط (الزمر ۳۹: ۱۴-۱۵) کہہ دو کہ میں اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے ۵ قُلِ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الْخَالِصِط دینی اسی کی بندگی کروں گا تم اس کے سوا جس جس کی بندگی کرنا چاہو کرتے رہو۔

یہ ایک سخت تشبیہی انداز ہے جو غیر اللہ کی بندگی کرنے پر مشرکین کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اسی طرح کی آیتیں قرآن میں اور بھی ہیں۔ مخصوص طور پر دعا کے لیے قرآن میں کہا گیا ہے: فَاذْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (الاعراف ۲۹: ۷) ”اور پکارو اس کو خالص اس کے المومن ۱۴: ۴۰) ”پس اللہ ہی کو پکارو ۵ فرماں بردار ہو کر“۔ سورہ مومن میں ہے: فَاذْعُو اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ - ”اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے خواہ تمھارا یہ فعل کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندگی و طاعت کو اللہ کے لیے خالص کر کے صرف اسی کو پکارنا، اس کی دہائی دینا اور اس سے دعا کرنا کافروں کو سخت ناگوار ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی پکارنا اور ان کی دہائی دینا پسند کرتے ہیں۔ سورہ مومن ہی میں دوسری جگہ ہے:

المومن ۶۵: ۴۰) وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کو تم پکارو اپنے) O فَاذْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
دین کو اس کے لیے خالص کر کے، ساری تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

آج بہت سے مسلمانوں کا بھی حال یہ ہے کہ ان کی بندگی و طاعت اللہ کے لیے خالص رہی ہے اور نہ ان کی دعا۔ وہ اوامر الہی کے علم الرغم دوسروں کی اطاعت بھی کر رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسروں کی دہائی بھی دے رہے ہیں۔ کاش! وہ من گھڑت تاویلات کو ترک کر کے ان آیات پر غور کرتے۔

اکل حلال و کسب حلال

قبولیتِ دعا کے لیے دوسری اہم شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والے کا رزق حلال ہو اور اس کی کمائی یا ذریعہ معاش بھی حلال ہو، حرام خوری کے ساتھ دعا قبول نہیں ہوتی۔ یہ شرط صراحت کے ساتھ صحیح حدیث میں مذکور ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی دو آیتوں سے استشہاد فرمایا ہے۔ اس لیے کہنا چاہیے کہ اکل حلال و کسب حلال کی شرط اشارتاً خود قرآن میں مذکور ہے۔

امام مسلم نے کتاب الزکوٰۃ میں اور امام ترمذی نے سورہ بقرہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ سے یہ روایت کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! بلاشبہ اللہ تمام نقائص و عیوب سے پاک ہے اور صرف حلال اور پاک چیزوں ہی کو قبول فرماتا ہے اور اس کے متعلق اس نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو اپنے رسولوں کو دیا ہے۔ اللہ نے اپنے رسولوں سے فرمایا ہے: ”اے میرے پیغمبرو! تم پاک اور حلال غذا کھاؤ اور صالح عمل کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو میں پوری طرح اس سے باخبر ہوں“۔ اور اپنے مومن بندوں سے اس نے کہا ہے: ”اے ایمان لانے والو، تم میری دی ہوئی روزی میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔ پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو (کسی مقدس مقام میں) لمبا سفر طے کر کے آتا ہے، پریشان مو اور غبار آلود مگر حال یہ ہوتا ہے کہ اس کا کھانا حرام، لباس حرام اور اس کا جسم حرام غذا سے پلا ہوا۔ پس اس شخص کی دعا کس طرح قبول ہو۔ حضور ﷺ نے اپنے ارشاد میں جن دو آیتوں کا حوالہ دیا ہے ان میں سے پہلی سورۃ المومنون کی آیت ۵۱ ہے اور دوسری سورہ بقرہ کی آیت ۷۲ ہے۔ قبولیت دعا کی اس شرط سے بھی مسلمان جو غفلت برت رہے ہیں اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دعا کے اندر کی شرطیں

قرآن اور احادیث میں دعا کے اندر کی تین اہم شرطیں مذکور ہیں: حضور قلب، تضرع، خوف ورجاء۔

حضور قلب کا مطلب یہ ہے کہ دعا کے وقت داعی کا دل اللہ کی طرف متوجہ اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو ا۔ دعا کے الفاظ نکل رہے ہوں اور دل کہیں اور کی ہوا کھارہا ہو۔ دعا کے وقت اگر دل غافل ہو تو وہ قبول نہیں ہوتی۔ حضرت ابو ہریرہ سے (۲) روایت ہے: اور جان لو کہ اللہ دعا قبول نہیں کرتا کسی غافل دل کی۔ (کنز العمال، ج

اسی معنی کی حدیث طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ اگر دل ہی حاضر نہ ہو تو پھر تضرع اور خوف ورجا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ جب آدمی دعا کر رہا ہو تو اسے شعور ہونا چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے، کیا کہہ رہا ہے اور کس سے کہہ رہا ہے۔

تضرع کی شرط صراحتاً قرآن میں مذکور ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ۵۵-۵۶ کو سامنے رکھنا چاہیے۔ آیت ۵۵ کا پہلا ٹکڑا یہ ہے: ۲۔
 اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا (اپنے رب کو پکارو گڑ گڑاتے ہوئے)۔ یہاں تضرع کا مطلب یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ کے سامنے اپنی ذلت، عاجزی، پستی اور ضعف کے زندہ شعور اور تازہ احساس کے ساتھ دعا کرے۔ اس کا مطلب زور زور سے چیخ چیخ کر دعا کرنا نہیں ہے کیونکہ اس کی صراحتاً ممانعت آئی ہے اور یہ آداب دعا کے خلاف ہے۔ مفسرین نے اس لفظ کی تفسیر تذلل تشع اور استکانت کے الفاظ سے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سامنے اپنے بندے کی عاجزی کو بے حد پسند فرماتا ہے۔ وہ جب اپنے آقا و مولیٰ کے سامنے گڑ گڑا کر دست سوال دراز کرتا ہے تو اس کے مالک کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ قرآن میں کفار و مشرکین کی جن کیفیات و حالات کی مذمت کی گئی ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے خدا کے سامنے عاجزی کا اظہار نہیں کیا اور نہ اس کے سامنے گڑ گڑائے۔

المومنون ۶۶: ۲۳) اور ہم نے ان کو آفت میں پکڑا پھر نہ انھوں نے اپنے رب (وَكَذَٰلِكَ أَخَذْنَا مِنَ الْمُجْرِمِينَ بَعْضًا مِّمَّا يَتَضَرَّعُونَ
 کے سامنے عاجزی کی اور نہ گڑ گڑائے۔

قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعائیں تضرع اور اخلاص وہ چیز ہے جو دنیا میں کفار و مشرکین کو بھی بعض مصیبتوں سے بچا لیتی ہے۔ مشرکین پر ان کے شرک کی حماقت واضح کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے:

اے محمد ﷺ! ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے۔ کہو، (۶۳، ۶۴، ۶۵) اللہ تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے۔ پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھیراتے ہو۔ (الانعام)

کون ہے جو بے قراری کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے؟ اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ (بناتا ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔ (آیت ۱۶)

ان آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعائیں تضرع اور اضطرار بے قراری کی کیفیت اسے بارگاہِ الہی میں قابل قبول بنا دیتی ہے۔ دعا اور ذکر دونوں ہی میں تضرع اور خوف ورجا کا مقام وہی ہے جو نماز میں خشوع اور خضوع کا ہے۔ ذکر الہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَإِذْ كُرِّرْتُ بَعْثِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِشْيَةً (الاعراف ۲۰۵: ۷) اے نبی ﷺ! اپنے رب کو یاد کیا کرو دل ہی دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور خوفِ خدا کے ساتھ۔

خوف اور اُمید کے ساتھ دعا کرنے کی تعلیم بھی الاعراف، آیت ۵۶ میں صراحتاً موجود ہے۔ وَإِذْ نَعُوْهُ خَوْفًا وَطَمَعًا (اور اس کو پکارو ۳۔ خوف کے ساتھ اور اُمید کے ساتھ)۔ اللہ کے عذاب کا خوف اور اس کے ثواب کی اُمید وہ چیز ہے جو مومن کو راہِ اعتدال پر قائم رکھتی ہے۔ وہ نہ اسے بے پروا اور نڈر ہونے دیتی ہے اور نہ اسے مایوس اور دل شکستہ بناتی ہے۔ خاص دعا کے لحاظ سے اس بات کا اندیشہ کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے دعا رد نہ کر دی جائے۔ اسے دعا کے شرائط و آداب کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بیکراں کا خیال

اسے قبولیتِ دعا کا امیدوار بنانا ہے۔ قرآن میں انبیاء کرام علیہم السلام اور صالح بندوں کی دعا و عبادت کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس میں خوف ورجاء کا خاص طور پر ذکر ہے۔ ایک مقام پر انبیاء کے مختلف حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

الانبياء ۹۰: ۲۱) یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑدھوپ (۱۰) نَسْتَعِينُكَ يَا رَبَّنَا اَلْحَيَاتِ وَيَدْعُوْنَكَ غَبَاً وَرَهَبًا وَاكْرَاهًا وَالنَّاسِ خَشَعَيْنِ كَرْتِ تَحْتِ اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے، اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔

: ایک جگہ صالحین کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے

السجده ۳۲: ۱۶) ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی (۱۰) تَجَانِي جُنُودُهُمْ مَعِنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُسْتَفْتُونَ ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ہمیں اپنی عبادتوں اور دعاؤں کو ان آیات کی کسوٹی پر کس کر دیکھنا چاہیے اور انھیں کھرا بنانے کی سعی کرنا چاہیے۔ یہی حقیقی تدبیر ہے ان کے نتائج و ثمرات حاصل کرنے کی۔

چند قابل احترام پہلو

چند چیزیں جن سے دعا میں احتراز کرنا چاہیے، اس لیے کہ وہ آدابِ دعا کے خلاف ہیں۔

دعا میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے، بلکہ جو کچھ مانگنا ہو پوری قطعیت اور عزم کے ساتھ مانگنا چاہیے۔ بخاری میں ہے:

”حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یوں نہ کہے کہ اے اللہ! مجھے بخش دے اگر تو چاہے، اے اللہ مجھ پر رحم کر! اگر تو چاہے بلکہ بغیر شرط قطعیت کے ساتھ دعا کرے۔ اس لیے کہ اللہ پر جبر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔“ ظاہر ہے کہ اگر اللہ نہ چاہے تو زبردستی اس سے کوئی چیز حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے اس کے چاہنے کی شرط لگانا بے کار ہے اور ادب دعا کے خلاف بھی ہے۔

دعا میں تصنع اور تکلف کر کے مسجع و مقفیٰ الفاظ استعمال کرنا غلط ہے کیونکہ اس طرح دعا کی روح اس سے غائب ہو جاتی ہے۔ نہ حضور قلب باقی رہتا ہے اور نہ تضرع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے بلکہ ذہن قافیے اور مسجع کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے ایک بار اپنے شاگرد حضرت عکرمہ کو چند ہدایتیں دیں، ان میں سے ایک یہ تھی: ”دعا میں مسجع سے اجتناب کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو ایسا کرتے نہیں پایا“ (بخاری)۔ البتہ اگر بلا تکلف مسجع و مرصع الفاظ زبان سے نکلیں تو دعا ایک پارہ ادب بھی بن جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر دعائیہ کلمات، بہترین پارہ ادب بھی ہیں۔

دعا میں اعتداء، یعنی حد سے تجاوز کرنا بھی ایک غلط کام ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ۵۵ میں فرمایا گیا ہے: ”اپنے رب کو پکارو گڑ گڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

دعا میں حد سے تجاوز کرنے کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں:

ناروا چیزوں کی طلب: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی چیزوں کی دعا کرنا جو ناروا اور ناجائز ہیں۔ اعمداء فی الدعا ﴿۵۵﴾ (دعا میں حد سے تجاوز کرنا) ہی کی ایک قسم ہے اور واقعہ یہ ہے کہ دعا میں حد سے تجاوز کی یہ بدترین شکل ہے۔ ایسا کرنا حقیقت دعا کی عین ضد ہے اور اس طرح کی دعاؤں سے انسان اللہ کے غضب میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک مسلمان جو سودی کاروبار کر رہا ہے اگر وہ اپنے اس کاروبار کی ترقی کے لیے اللہ سے دعا کرتا ہے تو وہ احمق اپنے آپ کو خدا کے غضب کا مستحق بنا رہا ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں سود خواروں کو اللہ و رسول ﷺ سے جنگ کا چیلنج دیا گیا ہے۔ اللہ سے صرف ایسی ہی چیز مانگنی چاہیے جس کے بارے میں پورا علم ہو کہ وہ جائز ہے۔

بلا ضرورت زور زور سے دعا کرنا: بلا ضرورت باواز بلند دعا کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ اس کی دود لیلیں تو سورہ اعراف کی آیت ۵۵ ﴿۵۵﴾ میں موجود ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں چپکے چپکے دعا کرنے کا حکم ہے اور اصل قاعدے کے لحاظ سے ہر امر (حکم) وجوب کے لیے ہوتا ہے اور اگر اس کو وجوب کے لیے نہ مانا جائے تو کم سے کم اس کا پسندیدہ اور مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری دلیل اِنَّ الْمَلَّهَ حُرْبٌ الْمُعْتَدِيْنَ (اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) کے ٹکڑے میں ہے۔ کلبی اور ابن جریر نے کہا ہے کہ اس آیت میں اعمداء سے مراد رفع الصوت فی الدعاء ہے، یعنی دعا میں آواز بلند کرنا حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اس آیت کے علاوہ دوسری آیات و احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے ذکر اور دعاء و نونوں ہی میں آہستگی پسندیدہ ہے۔ اللہ کے ذکر میں آہستگی کا حکم ہے:

وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خِيفَةً (الاعراف ۲۰۵: ۷) اے نبی ﷺ! اپنے رب کو یاد کیا کرو دل ہی دل میں گڑ گڑاتے ہوئے اور خوف خدا کے ساتھ۔

مریم ﴿۱۹﴾ حضرت زکریا علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے ان کی ایک خاص دعا کا بیان قرآن میں اس طرح ہے: اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدًا خَفِيًّا (۱۹: ۳) ”جب کہ انھوں نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا“۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ اس آیت سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ آہستگی کے ساتھ دعا کرنا مستحب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ ایک سفر جہاد میں صحابہ کرام باواز بلند

تکبیر کہنے لگا تو حضور ﷺ نے انھیں اس سے روکا اور فرمایا کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ ایک ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سمیع و قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: حضرت حسن بصری کہتے تھے کہ کوئی شخص پورا قرآن حفظ کر لیتا تھا لیکن اس کے پڑوسی کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح کوئی شخص تہجد کی طویل نمازیں پڑھتا تھا اور اس کے پاس لیٹے ہوئے شخص کو اس کا شعور بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ ہم نے ایسے لوگوں کو پایا ہے جو اعمال خیر کے اخفاء میں مبالغہ کرتے تھے۔ ہم نے ان مسلمانوں کو دیکھا ہے جو دعائیں پوری محنت سے کرتے تھے لیکن ان کی آواز بلند نہیں ہوتی تھی، اس لیے کہ اللہ نے فرمایا ہے: ”اپنے رب کو یاد کرو۔“ گڑ گڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔

اس کے علاوہ انسان کا نفس دکھاوے اور شہرت طلبی کی طرف میلان رکھتا ہے۔ اس لیے آواز بلند دعا کرنے میں اندیشہ ہے کہ اس میں ریا کی آمیزش ہو جائے۔ اس سے بچنے کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ چیخ چیخ کر دعا نہ کی جائے۔ آج کل جلسوں میں اور مسجدوں میں زور سے دعا مانگنے کا جو رواج ہو گیا ہے، وہ دعا کے اس ادب سے لاعلمی کی دلیل ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو سنن و نوافل سے فارغ ہو کر آواز بلند دعا مانگنے لگتے ہیں۔ انھیں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ دوسرے لوگوں کو جو ابھی نماز میں مشغول ہیں پریشانی ہوگی۔ البتہ اگر کوئی ضرورت داعی ہو تو درمیانی آواز کے ساتھ دعا مانگی جاسکتی ہے۔

دعائیں غیر ضروری الفاظ بڑھانا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ کہ خود جامع دعائیں پسند فرماتے تھے بلکہ آپ نے ﴿﴾ غیر ضروری الفاظ بڑھانے پر تنبیہ بھی کی تھی۔ ہم یہاں اس طرح کی چند حدیثیں نقل کرتے ہیں: حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعائیں پسند فرماتے تھے اور غیر جامع کو ترک کر دیتے تھے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

جامع دعا کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آپ دنیا اور آخرت دونوں ہی کی بھلائیاں طلب فرماتے تھے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ کی دعاؤں کے الفاظ کم لیکن معانی بہت ہوتے تھے، یعنی آپ اپنی دعاؤں کو غیر ضروری الفاظ بڑھا کر طویل نہیں کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے دعا کے اس ادب کو اچھی طرح ذہن نشین کیا تھا اور وہ غیر ضروری الفاظ کے اضافے کو دعائیں اعتداء قرار دیتے ہیں۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت سعد بن وقاص نے اپنے ایک بیٹے کو دعا مانگتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے: ”اے اللہ! میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور -“ اس کی نعمتیں، اور اس کا ریشم اور یہ، اور یہ، اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں دوزخ سے اور اس کی زنجیروں سے اور اس کے طوق سے

جب وہ دعا ختم کر چکے تو حضرت سعد نے ان سے کہا: تم نے خیر کثیر کی دعا کی اور بہت سے شر سے پناہ مانگی اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو دعائیں حد سے تجاوز کریں گے اور بعض حدیثوں میں ہے کہ لوگ وضو میں اور دعائیں حد سے تجاوز کریں گے۔ جنت کی طلب میں اس کی تمام نعمتوں اور آسائشوں کی طلب خود بخود داخل ہے۔ اسی طرح دوزخ سے استعاذہ میں اس کی تمام سزاؤں اور زحمتوں سے استعاذہ خود بخود داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سعد نے جنت کی دعا کے ساتھ اس کی نعمتوں کی تفصیل اور جہنم سے استعاذہ کے ساتھ اس کی سزاؤں کے ذکر کو ناپسند کیا اور ان غیر ضروری الفاظ کے اضافے کو ادب دعا کے خلاف قرار دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو کہتے ہوئے سنا: ”اے اللہ! میں تجھ سے قصر ایض (سفید محل) مانگتا ہوں جنت کے داہنے جانب“۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: جنت مانگو اور جہنم سے پناہ چاہو۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو وضو اور دعائیں حد سے تجاوز کریں گے۔ اس دعائیں انھوں نے غیر ضروری قید اور شرط کو ادب دعا کے خلاف قرار دیا۔ وضو میں حد سے تجاوز کی ایک صورت یہ ہے کہ بلا ضرورت ہر عضو کو تین بار سے زیادہ دھویا جائے۔ اگر کسی شخص کو اپنی کوئی خاص اور وقتی حاجت و ضرورت کی دعا مانگنی نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ وہ دعائے ماثورہ، یعنی

قرآن اور احادیث میں مذکور دعائیں مانگے۔ ان میں خاص برکت بھی ہے اور وہ ان تمام بے اعتدالیوں سے محفوظ بھی ہیں جو دعائیں انسان سے ہو سکتی یا ہو جایا کرتی ہیں۔

دعا کو تقریر بنا دینا: جب دعائیں غیر ضروری الفاظ کا اضافہ بھی آدابِ دعا کے خلاف اور حد سے تجاوز کرنا ہے تو دعاؤں کو تقریر بنا دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ بعض لوگوں نے دعا کو خطابت کا ایک فن بنا دیا ہے۔ دعا اور ایک لمبی تقریر میں کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ یہ دعا کے ساتھ بڑی بے ادبی کا رویہ ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حیثیت سے زیادہ کی طلب: دعائیں حد سے تجاوز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اپنی حیثیت سے بلند چیزوں کی دعا کرے۔ مثال کے طور پر اگر ہم اللہ سے تقرب کا وہ درجہ مانگیں جو انبیائے کرام کا ہے تو یہ آدابِ دعا کے خلاف ہوگا، یا کوئی مسلمان ایک طرف تو اللہ کی نافرمانیاں کیے جا رہا ہو اور دوسری طرف اس سے جنت کی دعا بھی مانگ رہا ہو، حالانکہ اس کو سب سے پہلے نافرمانیوں سے باز آنا چاہیے، توبہ کرنی چاہیے اور اللہ سے اطاعت و عبادت کی توفیق مانگنی چاہیے۔

آدابِ دعا

دعا کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سینے تک اٹھا کر دعا مانگے اور دعا ختم کرنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیر لے۔ اگر دعا کرنے والا با وضو اور قبلہ رو ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ فرض نمازوں کے بعد یا سنن و نوافل کے بعد جو دعائیں مانگی جاتی ہیں ان میں ان آداب پر باسانی عمل کیا جاسکتا ہے اور مسلمان ایسا کرتے بھی ہیں۔ دعا سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور دعا کے بعد آمین کہنا بھی آدابِ دعا میں داخل ہے۔ دعا کے یہ آداب، احادیثِ رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ میں طوالت کے خوف سے وہ حدیثیں یہاں نقل نہیں کر رہا ہوں۔

دعاؤں کے لیے بہتر اوقات

دعاؤں کے لیے شریعت نے بیچ وقتہ نمازوں کی طرح کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا ہے۔ دعاہر وقت کی جاسکتی ہے لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاؤں کے لیے بہتر اوقات و حالات کا انتخاب کرنے سے ان کی مقبولیت کی زیادہ توقع پیدا ہو جاتی ہے۔ امام غزالی اور دوسرے علما و صوفیاء نے ان اوقات و حالات کو یک جا کر کے بیان کیا ہے۔

ایک وقت تو پورے سال میں ایک بار آتا ہے جیسے یومِ عرفہ، اور سال کے ۱۲ مہینوں میں ایک مہینہ رمضان المبارک اور بالخصوص شبِ قدر۔ بعض اوقات ہر ہفتہ آتے ہیں جیسے جمعہ کی رات اور جمعہ کا دن۔ بالخصوص نمازِ جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان اور سورج ڈوبنے سے تھوڑی دیر پہلے۔ بعض اوقات روزانہ آتے ہیں جیسے آخر شب میں سحر کا وقت، فرض نمازوں کے بعد، اذان و اقامت کے وقت اور اذان و اقامت کے درمیان بارش کے وقت۔ سجدے کی حالت میں تکثیر دعا کی ترغیب دی گئی ہے۔ روزہ دار کے لیے افطار کا وقت، مسافر کے لیے ابتدائے سفر کا وقت اور حالتِ سفر میں، حالتِ اضطرار میں۔ اس حالت میں جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قیامت کی ہولناکی کے تصور سے جسم پر لرزہ طاری ہو۔ دعاؤں کے لیے ان اوقات و احوال کے بہتر ہونے کے ثبوت میں قرآن کی آیات اور صحیح احادیث موجود ہیں۔

مقبولیت دعا کی ایک اور شرط

دعا کے بعد اس کی مقبولیت کی ایک اور شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والا اس کے لیے جلدی نہ مچائے۔ امام بخاری و مسلم دونوں ہی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے جو شخص بھی دعا کرے اس کی دعا اس وقت قبول کی جاتی ہے جب تک وہ جلد بازی کر کے یہ نہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی لیکن وہ قبول نہیں کی گئی۔“

امام مسلم کی روایت میں یہ ہے: ”بندے کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور جب تک وہ جلدی نہ مچائے۔ پوچھا گیا کہ استعجال (جلد بازی) کا مطلب کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا گو کہنے کے لیے میں دعا کی پھر دعا کی لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ قبول ہوگی اور پھر وہ دعا کرنا ترک کر دے۔“

مقبولیتِ دعا میں جلد بازی چند نادانیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ایک نادانی یہ ہے کہ دعا کرنے والا دعا کی حقیقت ہی سے ناواقف ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ غلام، تسلیم و رضا کا پیکر بنا ہوا اپنے مہربان آقا کے دامن سے چمٹا رہے اور اس کے سامنے احتیاج کا ہاتھ پھیلائے رہے۔ دعا عبادت بلکہ مغز عبادت ہے اور عبادت کے اجر کا محل اصلاً یہ دنیا نہیں ہے بلکہ آخرت ہے۔ جلد باز دعا گو کی دوسری نادانی یہ ہے کہ وہ اپنی دعا کو ہر طرح قابل قبول سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا کہ مقبولیتِ دعا کی جو شرطیں ہیں وہ پوری نہ ہوئی ہوں۔ وہ جانتا ہے کہ آقا اس کا بخیل نہیں ہے اور نہ اس کے خزانے میں کوئی کمی ہے۔ وہ رحمن و رحیم بھی ہے، عادل بھی، حکیم بھی ہے اور جواد و فیاض بھی۔ اب اگر اس کی مانگی ہوئی چیز نہیں مل رہی ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی۔

تیسری نادانی یہ ہے کہ وہ مقبولیتِ دعا کا صحیح مطلب نہیں جانتا۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ بندہ جو کچھ مانگے وہ ہر حال میں اسے دے ہی دیا جائے خواہ اس کی مصلحت کے مطابق ہو یا نہ ہو، بلکہ دعا کی مقبولیت اللہ کی حکمت اور بندے کی مصلحت کے ساتھ مربوط ہے۔

انسان کی فطرت میں چونکہ جلد بازی داخل ہے اس لیے اس کے بُرے اثرات سے بچانے اور مطمئن کرنے کے لیے دعا کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا ہے کہ مومن کی دعا کبھی رد نہیں کی جاتی بلکہ ہمیشہ قبول کی جاتی ہے۔ البتہ قبول کرنے کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

مومن کی دعا دعار نہیں کی جاتی

حضرت سلمان فارسی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بلاشبہ تمہارا رب صفت حیا سے متصف اور کریم ہے۔ جب اس کا بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے تو اسے حیا آتی ہے کہ ان ہاتھوں کو خالی لوٹا دے“ (ترمذی، ابوداؤد، بیہقی)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندہ مومن کے دعائیں اُٹھے ہوئے ہاتھ کبھی محروم اور خالی واپس نہیں آتے بلکہ اپنے مولائے کریم سے کچھ نہ کچھ لے کر لوٹتے ہیں، لیکن یہ بات ذہن میں او جھل نہ ہونے دینا چاہیے کہ قبولیت دعا کے آداب و شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔

حضرت ابوسعید خدری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جب کوئی مسلمان ایسی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ یا رشتے کو کاٹنے والی بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز عطا فرماتا ہے:

جو کچھ اس نے مانگا ہے دنیا ہی میں اسے دے دے ۲۔ اس کا اجر آخرت کے لیے ذخیرہ کر دے ۳۔ جو خیر اس نے مانگی تھی اسی کے ۱۔
مثلاً کوئی شر اس سے دُور کر دے۔

صحابہ نے کہا: تب تو ہم بہ کثرت دعائیں مانگیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کا خزانہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ (ترغیب و ترہیب
(بحوالہ مسند احمد، بزار و ابویعلیٰ)

اسی مضمون کی حدیثیں حضرت عبادہ بن الصامت، حضرت ابوہریرہ، اور حضرت جابر سے بھی مروی ہیں۔ ان حدیثوں میں بھی قبولیت دعا کی ایک شرط مذکور ہے، یعنی یہ کہ اس کی دعائیں کسی گناہ کی طلب یا قطع رحمی کی کوئی بات نہ ہو۔ دعائیں قطع رحمی کی ایک صورت یہ ہے کہ رشتہ داروں کے حق میں دعائے خیر کے بجائے بددعا کی گئی ہو۔

یہ حدیثیں مجھ جیسے عجلت پسند انسان کو اطمینان دلاتی ہیں کہ شرائط و آداب کے ساتھ کوئی بھی مخلصانہ دعا دعار نہیں کی جاتی۔ ہم دنیا میں کوئی بھلائی مانگتے ہیں اور وہ نہیں ملتی یا کسی مصیبت اور تکلیف کو دُور کرنے کی دعا کرتے ہیں اور وہ دُور نہیں ہوتی تو ہم دل شکستہ اور

مایوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ حدیثیں اس دل شکستگی اور مایوسی کو ختم کر دیتی ہیں اور ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ مانگنے کے باوجود دنیا میں ہمیں جو کچھ نہیں ملا اس کا بدلہ آخرت میں ضرور ملے گا اور وہاں جو کچھ ملے گا وہ بہتر بھی ہو گا اور پابندہ تر بھی۔

ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ

فلسفہ یونان کے اثر سے جب اسلامی عقائد اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں بحثیں شروع ہوئیں تو اسلامی لٹریچر میں ایک نئے علم، علم کلام کا اضافہ ہوا، اور تصوف بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ فلسفہ اور علم کلام نے جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی نگاہ سے قرآن اور احادیث کے دلائل او جھل ہو گئے اور انھوں نے بھی فلسفیوں کی طرح عقلی و دماغی تیر تکے چلانے شروع کر دیے۔ کتاب و سنت کے معقول دلائل انسان کے دل میں اطمینان اور یقین کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف فلسفے کے عقلی دلائل قلب کو شک اور تردد میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ بہر حال فلسفیانہ بحث و مباحثے کی زد ’دعا‘ پر بھی پڑی اور اس کے بارے میں بھی لوگوں نے عقلی تیر تکے چلانے شروع کر دیے۔ تصوف میں بھی اس مسئلے میں متعدد اقوال پیدا ہو گئے۔

رسالہ قشیریہ میں جو تصوف کی قدیم اور مستند کتاب ہے، وہ اقوال نقل کیے گئے ہیں: ۱۔ دعا کرنا افضل ہے ۲۔ خاموش اور راضی برضاے الہی رہنا افضل ہے ۳۔ بہتر یہ ہے کہ بندے کی زبان دعا گو رہے اور قلب راضی برضا رہے ۴۔ مختلف اوقات و حالات کا حکم مختلف ہے۔ بعض حالات میں دعا کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے اور اس وقت کا یہی ادب ہے اور بعض حالات میں خاموش رہنا دعا کرنے سے افضل ہے اور اس وقت کا یہی ادب ہے۔ اس کا معیار یہ ہے کہ اپنے قلب کو دیکھے اگر وہ دعا کا اشارہ کرے تو دعا افضل ہوگی اور اگر سکوت کا اشارہ کرے تو سکوت افضل ہوگا ۵۔ اپنے حال کا لحاظ کرے۔ اگر دعا کے وقت کیفیت بسط میں زیادتی محسوس کرے تو دعا افضل ہوگی اور اگر اس وقت کسی قسم کی آکٹاہٹ اور ’قبض‘ کی کیفیت محسوس ہو تو سکوت افضل ہوگا اور اگر نہ ’بسط‘ میں زیادتی ہو اور نہ ’قبض‘ میں تو دعا اور ترک دعا کا معاملہ برابر رہے گا۔ ۶۔ اگر ارادہ دعا کے وقت ’علم‘ غالب ہو تو دعا افضل ہے، اس لیے کہ

وہ عبادت ہے اور اگر اس وقت 'معرفت'، 'حال' اور 'سکوت' غالب ہو تو خاموش رہنا افضل ہوگا۔ جس دعا میں مسلمانوں کا حصہ ہو یا حق تعالیٰ کا اس میں حق ہو تو دعا بہتر ہے اور اگر اس میں خود تمہارے اپنے لیے حظ و نصیب ہو تو سکوت اولیٰ ہے۔

ان اقوال میں فلسفیانہ تصوف کی چند اصطلاحیں بھی استعمال ہوئی ہیں۔ وقت، حال، اشارہ، بسط، قبض، علم، معرفت، سکوت ___ دعا کے بارے میں قرآن و حدیث کی جو تصریحات اُوپر گزریں انہیں پڑھیے اور پھر رسالہ قشیرہ میں منقول ان اقوال پر نظر ڈالیے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام اقوال تصوف میں فلسفے کو داخل کر دینے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم نہ فلسفہ یونان کی افادیت کے قائل ہیں اور نہ ہمیں اجنبی عناصر سے مخلوط تصوف سے دل چسپی ہے، اس لیے ان اقوال و اصطلاحات کی توضیح بے کار ہے۔ البتہ ایک غلطی کا ازالہ ضروری ہے جس کا تعلق حدیث نبوی ﷺ سے ہے۔ دعا کے سلسلے میں دوسرا قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ خاموش اور راضی بقضایا راضی برضاے الٰہی رہنا افضل ہے۔ اس قول کی دلیل کے طور پر رسالہ قشیرہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس شخص کو میرے ذکر نے مشغول کر دیا مجھ سے سوال کرنے سے، میں اس کو دوں گا،“۔ اس سے بہتر جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں

راقم الحروف نے مشکوٰۃ، جمع الفوائد، ترغیب و ترہیب اور کنز العمال میں یہ حدیث تلاش کی لیکن ناکام رہا، البتہ قرآن کریم کی فضیلت کے بیان میں امام ترمذی اور دارمی نے یہ حدیث روایت کی ہے: ”ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: جس کو قرآن نے مشغول کر دیا میرے ذکر اور دعا سے میں اس کو عطا کروں گا اس سے بہتر جو سوال (کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں، پس دوسرے کلاموں پر کلام اللہ کی فضیلت ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر“۔ (ترمذی)

امام دارمی نے یہ حدیث باب فضل کلام اللہ علی سائر کلام اللہ میں روایت ہے: ”جس کو قرآن کی تلاوت نے مشغول کر دیا مجھ سے سوال کرنے اور میرا ذکر سے میں اس کو دوں گا سوال کرنے والوں سے بہتر اجر اور اللہ کے کلام کی فضیلت بقیہ دوسرے کلاموں پر ایسی (ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر“۔ (دارمی)

یہ ایک ضعیف حدیث ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مجید کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر قرآن کی تلاوت میں اس درجہ مشغولیت رہی کہ قاری قرآن، اللہ کا کوئی اور ذکر اور اس سے دعا نہ کر سکا تو وہ اسے مانگنے والوں کے مقابلے میں افضل اور بہتر چیز عطا کرے گا اور اس کی یہ وجہ بھی اس میں بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ کا کلام چونکہ دوسرے تمام کلاموں سے افضل ہے۔ اس لیے اس کا اجر اور اس کی برکت بھی سب سے زیادہ ہوگی۔ اس ضعیف حدیث میں شاعِل (مشغول کرنے والا) قرآن ہے اور مشغول عنہ (مشغولیت کی وجہ سے جس کی طرف توجہ نہیں کی جاسکتی) ذکر بھی ہے اور دعا بھی۔ اسی حدیث میں کسی نے تحریف کر کے ان صوفیوں کو سنادی جو ترکِ دعا کو افضل قرار دیتے تھے اور انھوں نے بلا تحقیق اسے قبول کر لیا اور پھر صاحب رسالہ قشیر یہ نے بھی اسے اپنی کتاب میں نقل کر دیا۔ تحریف کرنے والے نے تلاوتِ قرآن کو حذف کر کے ذکر کو شاعِل اور دعا کو مشغول عنہ بنا دیا حالانکہ اس حدیث میں ذکر اور دعا دونوں ہی مشغول عنہ اور قرآن شاعِل تھا۔

اصل میں رضا بقضا، یعنی اللہ کے فیصلے اور اس کی مرضی پر راضی رہنے کا مطلب ان لوگوں نے صحیح نہیں سمجھا جو ترکِ دعا کو افضل کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں اللہ سے اپنے لیے کچھ مانگنا مقامِ تسلیم و رضا کے خلاف ہے حالانکہ یہ خیال قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف اور بالکل غلط ہے۔ حد ہو گئی کہ ابو سلیمان دارانی نے جو اپنے وقت کے ایک بڑے صوفی تھے، ’رضا‘ کی تعریف میں یہاں تک کہہ دیا: ”ابو سلیمان نے کہا کہ ’رضا‘ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نہ جنت کی دعا کرو اور نہ دوزخ سے پناہ مانگو“ (الرسالۃ القشیریہ)۔ یہ قول جس کا بھی ہو، اللہ و رسول ﷺ کے اقوال کی عینِ ضد ہے اور صوفیائے کرام ہی کی تصریحات کے مطابق اسے قبول نہیں کرنا چاہیے۔